Oriental College Magazine, Vol.102, No. 03, Serial No. 385, 2026

سحر البیان اور دیگر مثنویوں میں ثقافت، ماحول اور فطرت کی پیش کش

مشتاق احمد خان

پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر (اُردو)، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

محمد ہارون قادر، پی ایچ ڈی

ایسوسی ایٹ پروفیسر اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

The Representation of Culture, Environment, and Nature in Sahr-ul-Bayan and Other Masnavis

Mushtaq Ahmed Khan
PhD Scholare (Urdu)
Lahore Garrison University, Lahore

Muhammad Haroon Qadir, PhD
Associate Professor of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore

Abstract

Mir Hasan wrote a total of *twelve masnavis*, including *Sihr-ul-Bayan*. *Dr. Waheed Qureshi* compiled the remaining *eleven masnavis* under the title *Masnaviat-e-Hasan*, which was published by the *Majlis-e-Taraqqi-e-Adab*, Lahore. He achieved everlasting fame through his masnavi *Sihr-ul-Bayan*. He composed this *masterpiece* in the last quarter of the eighteenth century (1784–85). Even today, nearly two and a half centuries later, the magic of *Sihr-ul-Bayan* remains undiminished. This paper focuses on the themes of *culture*, *environment*, and *nature* in *Sihr-ul-Bayan* to substantiate this research in Mir Hasan's other masnavis It discusses *Sihr-ul-Bayan* in detail and attempts to identify the factors that have contributed to making it a great work of art.

Keywords:
Mir Hasan, Dr. Waheed Qureshi, Sihr-ul-Bayan, Masnaviat-e-Hasan, Majlis-e-Taraqqi-e-Adab

اصناف سخن میں مثنوی کا نام دنیائے ادب میں جب بھی لیا جائے گا تو میر حسن (۱۷۲۷۔۱۷۸۶ء) کے ذکر کے بغیر تذکرہ ادھورا رہے گا اور جب میر حسن کا نام آئے گا تو "سحر البیان" کے ذکر کے ساتھ آئے گا۔ اردو اصناف سخن میں مثنوی کو وقار سحر البیان سے ملا۔ یوں تو خدائے سخن سمیت کئی شعرا نے اس میدان میں ہنر آزمایا لیکن رفعت صرف میر حسن کے قلم کو نصیب ہوئی۔ ان کے قلم سے بھی یہ سخن بے نظیر ان کی ادبی زندگی کے آخر میں جاکر تخلیق ہوا جب وہ تخیل کے عروج کا سفر کرنا سیکھ گئے۔ ریاضت میں کامل ہوگئے، فکر کے سمندروں سے موتی نکالنے کے فن میں طاق گئے۔ تب انھوں نے بیان کا جادو جگایا۔ تخیل اور فن کی بلندیوں تک پہنچنے سے پہلے بھی انھوں نے گیارہ مثنویاں لکھیں جنھیں ڈاکٹر وحید قریشی (۱۹۲۵۔۲۰۰۹ء) نے 'مثنویات حسن' کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا۔ اس جلد میں انھوں کے مقدمہ اور حواشی لکھے۔ مثنویات حسن کے مطالعے سے ان کے مشاہدے، جزئیات نگاری، روانی، تراکیب اور محاوروں کے استعمال کی فنکاری تو کچھ محسوس ہوتی ہے لیکن جذبات سے آری ، تخیل کی کمی، لفظیات کے چناؤ میں جما لیاتی عناصر کا فقدان اور شعریت کی عدم موجودگی کا احساس دامن گیر ہوتا ہے۔ یہ احساس دامن گیر ہونے کی بنیادی وجہ " سحر البیان" ہے جس کا جادو ہمیشہ سر چڑھ کے بولے گا اور شاید ہی کوئی قاری سحر البیان سے پہلے دیگر مثنویاں پڑھے کیوں کہ میر حسن سے تعارف کا پہلا ذریعہ یہی ہے، دیگر مثنویوں سے چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

چھت سے گر گر زمیں پہ چلتی ہیں
در و دیوار سے ابلتی ہیں
پھینکے ہیں جھاڑو سے دھکیل دھکیل
چلی آتی ہے چیونٹیوں کی ریل
گھر سے باہر جو ہم نکلتے ہیں
خوف سے مور چال چلتے ہیں
گھی میں، آٹے میں، نون پانی میں
سب سے ربط ان کو زندگانی میں
کھودلے جائے گھر سے چیز گڑی
سچ کہ ہے چیونٹیوں کی ناک بڑی(۱)

درج بالا اشعار "مثنوی ہجو بریلی" سے لیے گئے ہیں۔اشعار میں روانی، جزئیات نگاری اور چیونٹیوں کی عادات کا بہت گہرا مشاہدہ واضح ہوتا ہے۔یہی نہیں بلکہ اس مختصر سی مثنوی میں پچاس سے زائد اشعار میں چیونٹیوں کی زندگی، ان کی عادات اور کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔ چیونٹیاں ہمارے ماحول کا حصہ ہیں۔ان کا ٹھکانہ جنگل ہیں اور انسانی بستیاں بھی۔ان کے بارے جاننا دلچسپی سے خالی نہیں۔درج بالا شعروں کے علاوہ بھی مثنوی کے اشعار دلچسپ ہیں۔جنھیں روانی میں پڑھتے ہوئے قاری کے ذہن میں ایک لمحے یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ اس مثنوی کا عنوان "ہجو بریلی" کے بجائے "ہجو نمل" ہونا چاہیے تھا۔

" مثنوی گلزار اِرم " سے چند اشعار دیکھیے:

صدا کرتا ہے کوئی ہاتھ اٹھا کے
"معطر پھول ہیں جی موتیا کے"
کوئی "مصری کے گنے" کہ پکارے
کوئی کہتا ہے "میٹھے ہیں کتارے"
سہانی وہ جو اور شیریں نوا ہے
گنڈیری کے کترنے کی صدا ہے

کوئی کہتا ہے "کیا نمکیں بنے ہی"
کوئی کہتا ہے "مرچوں کے چنے ہیں"
چنے والا لگا کہنے یہ ہنس کے
"کرارے بھر بھرے نیبو کے رس کے"
لیے بیٹھا ہے کوئی سونٹھ کھٹی
پکارے ہے کوئی "مصری کی پٹی(۲)

مثنوی گلزار اِرم کے ہر حصے کا عنوان فارسی میں دیا گیا ہے۔درج شدہ اشعار میں بازار کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔اشعار والا پہلے کا حصہ "در تعریف تر پولیہ ہوا رشکِ کشمیر جنت نظیر " ہے۔ ترپولیا کے تین دروازوں کو شاعر نے ایک جسم کی تین رو حیں کہا ہے۔اس باب میں ترپولیا کی تعریف سحر انگیز ہے۔میر حسن کا کمال ہے کہ ان کے شعر پڑھتے ہوئے تر پولیا کے بازار کی سیر

ہو جاتی ہے۔وہاں کے نقشوں کے ساتھ ساتھ مختلف اشیا کے فروخت کرنے والوں کی میٹھی میٹھی صدائیں بھی کانوں سے ٹکرانے لگتی ہیں۔جزئیات اور ان کے بیان پر کامل قدرت کے نمونے درج بالا اشعار میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ان اشعار میں صدائے سودا فروشاں کا لحن تو اپنی جگہ توجہ بٹور ہی رہا ہے ساتھ اس کے ثقافتی مرقعے جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔اکیسویں صدی کے بازار جن ثقافتی مظاہر سے محروم ہوتے جارہے ہیں میر حسن نے انھیں اپنی مثنویوں میں محفوظ کر دیا ہے۔ چند اور شعر دیکھیے :

پپیہا جو پی پی کرے ہے صدا
سو مانگے ہے عیدی یہ شہنا بجا
غرض ہر روش پر گلستاں میں شور
نفیری بجانے کو آتے ہیں مور
گل و غنچہ نے مشت میں زر لیا
ہوا نے بھی جگنو سے زیور لیا
نہ کچھ بلبلیں ہیں غزل خواں یہاں
پڑھیں ہیں مری مثنوی طوطیاں(۳)

تحریر کردہ اشعار "مثنوی در تہنیت عید" سے لیے گئے ہیں۔ عید کا تہوار اسلامی تہذیب و ثقافت کا اہم پہلو ہے۔اس مثنوی میں " عید الفطر" کو موضوع بنایا گیا ہے ۔عید کے دن کے لیے نئے لباس، دوسری تیاریاں ،بڑوں سے عیدی مانگنے کا رواج، سویوں کی خوشبو اور پھر اس ساری چہل پہل میں منافق کے لیے عید کے بجائے ماتم کا سماں میر حسن نے دکھایا ہے۔ پہلے شعر میں پپیہا کی پی پی کو عیدی مانگنے سے تشبیہ دینا ،دوسرے شعر میں ساون میں عید آنے پر گلستاں کی گلکاری اور تیرے شعر میں استعارہ کمال کی ہنر مندی سے قائم کیا گیا ہے،مزید اس شعر میں صنعت مراعات النظیر کے ساتھ ساتھ پیکر تراشی بھی دلکش ہے۔ آخری شعر میں شاعر نے تعلی سے کام لیا ہے۔غور کریں تو چاروں شعروں میں فطرت جلوہ فگن رہی ہے اور فطرت کی جلوہ گری سے اشعار کے حسن میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

"مثنوی در وصفِ قصرِ جواہر" میں باقی حصوں کے ساتھ ایک حصہ "در مدحِ پائیں باغ" ہے جس میں میر حسن کی فطرت سے رغبت واضح ہوتی ہے۔انھوں نے "مثنوی

خوان نعمت" میں مختلف کھانے گنوائے ہیں۔ اب تک چند حوالوں کے ساتھ پانچ مثنویوں پہ بات ہوئی ہے۔ جنھیں اپنی چند خوبیوں اور میر حسن کے فنی ارتقا کو مد نظر رکھتے ہوئے نظر انداز کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔ مقالے کی آغاز میں مثنویات حسن کی جن خوبیوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا درج بالا حوالوں سے انھیں واضح کردیا گیا ہے۔ لیکن ان مثنویوں میں جو خوبیاں نظر نہ آئیں وہ "سحر البیان" کا خاصا ہیں ۔ اسی لیے صاحب سحر البیان نے اسے دریائے سخن بہانے سے تعبیر کیا ہے۔ مثنوی کے آخر میں میر حسن نے تعلی کی زبان میں چند دعوے کیے ہیں کہ اس کہانی میں انھوں نے عمر صرف کی ہے تب موتی سے حرف نکلے، یہ مثنوی نہیں گویا موتیوں کی لڑی ہے، اس کی طرز اور زبان نئی ہے جو اسے مثنوی سے زیادہ بیان کا جادو بنا دیتی ہے اور جہاں میں ہمیشہ یہ کلام رہے گا ،اسی سے شاعر کا نام رہے گا۔(۴)

درج بالا سطور میں خود ستائی اور کمال فن کے جن دعووں کا ذکر ہوا ہے وہ سچ ثابت ہوئے۔ آج چندبرس کم اڑھائی سو سال گزرجانے کے بعد بھی سحرالبیان کا سحر جوں کا توں ہے۔ میر حسن کی دور اندیشی حیرت میں مبتلا کرتی ہے کہ وہ تبھی کہہ گئے:

رہے گا جہاں میں میرا اس سے نام
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
ہر اک بات پہ دل کو میں خوں کیا
تب اس طرح رنگیں یہ، مضموں کیا (۵)

اشعارِ بالا مثنوی کے آخر سے لیے گئے ہیں جبکہ مثنوی کے آغاز میں پانچویں نمبر پر میر حسن نے "تعریف سخن کی " کے عنوان سے شامل حصے میں دس اشعار کہے جن میں وہ سخن کے ساتھ اپنی سنجیدہ وابستگی اور قدرِ سخن کی بات کی کہ ہر عقل مند سخن سے رغبت رکھتا ہے اور اپنا نام بلند کرتا ہے۔ رستم ، گیو اور افر اسیاب کا نام اگر آج کوئی لیتا ہے تو اس کی وجہ بھی سخن ہے اگر سخنور انھیں کردار بناکر پیش نہ کرتے تو ان کو کوئی یاد نہ کرتا اور وہ سخن کے صلے کے حوالے سے پر اعتماد ہیں۔ انھیں سخن کی فکر ہر لمحے رہتی ہے۔

سخن کی مجھے فکر دن رات ہے
سخن ہی تو ہے، اور کیا بات ہے

سخن کے طلب گار ہیں عقل مند
سخن سے ہے نام نکوياں بلند(٦)

سخنوری میں اپنی ریاضت اور مشقت کا ذکر انھوں نے مختلف مقامات پر کیا۔ایک شعر دیکھیے:

سو میں اک کہانی بنا کر نئی
درِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی (٧)

مثنوی میں فکراور فن ہر دو سطحوں پر میر حسن کی مشق سخن کے مرقعے بکھرے ہوئے ہیں۔انھوں نے مثنوی کو چونتیس حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصے کو ایک عنوان دیا۔یہ ایک رومانوی قصہ ہے جو آٹھویں حصے سے شروع ہوتا ہے۔پہلے سات حصوں میں حمدیہ اشعار، نعت، منقبت، مناجات، سخن کی قدر منزلت، شاہ عالم کی مدح میں چار ا شعار اور وزیر آصف الدولہ کی مدح میں پونے دو سو کے قریب اشعار کہے گئے۔

قصہ مختصر یوں ہے کہ کسی شہر کے بادشاہ کےپاس دولت ، سکون، عیش و عشرت سب کچھ تھا بس ایک اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔اس نے نجومیوں سے رجوع کیا۔نجومیوں نے خوش خبری سنائی کہ با د شاہ کے ہاں نہایت حسین و جمیل بچہ پیدا ہو گا لیکن کی پریشانی کی بات یہ ہے کہ اسے بارہ سال کی عمر میں کسی مصیبت کا سامنا ہے ۔شہزادہ پیدا ہوا۔جشن منائے گئے،بے نظیر نام رکھا گیا،بارہ سال تک اس کی حفاظت اور اونچے مقام تک نہ جانے کا اہتمام کیا گیا۔بد قسمتی سے بارہویں سال کی آخری رات شہزادے (بے نظیر) کی خواہش پر اسے چھت پر سلایا گیا۔وہاں سے ماہ رخ پری کا گزر ہوا۔شہزادے کو دیکھتے ہیں وہ اس پر فریفتہ ہوگئی اور اسےپرستان اڑا لے گئی۔شہزادے کو سیر کے لیے" فلک سیر" گھوڑا دیا تا کہ اس کا دل لگا رہے۔ایک شام وہ سیر کرتے کرتے سراندیپ جا نکلا جہاں اس نے بدر منیر(بادشاہ مسعود شاہ کی بیٹی)کو دیکھا۔بدر منیر نے شہزادے کو دیکھا۔دونوں دل ہار بیٹھے۔سلسلہ عشق چل نکلا۔ایک دیو نے پری (ماہ رخ) کو خبر کردی۔ ماہ رخ نے شہزادے کو کنویں میں قید کر دیا۔بدر منیر شہزادے کے نہ ملنے پربے قرار اور غمگین ہو گئی۔اس نے اپنی سہیلی وزیر زادی نجم النساء کا سہارا لیا۔نجم النساء جب جوگن بن کر نکلی تو اس کی ملاقات جنوں کے بادشاہ کے بیٹے فیروز بخت سے ہوئی۔فیروز بخت کی مدد بے نظیر کا سراغ لگانے میں کامیابی ہوئی اور وہ پری کی قید سے اسے آزاد کروا لایا۔اس کے بعدبے نظیر کی شادی بدر منیر سے ہو جاتی ہے اور فروز بخت کی نجم النساء سے۔

یہ قصہ بیان کرنے کے لیے میر حسن نے سخن کا دریا بہایا ہے۔ لیکن اس مثنوی کی شہرت کی اصل وجہ صرف رومانوی قصہ نہیں بلکہ میر حسن کے بیان کا جادو ہے جو علم بیان وبدیع، جزئیات نگاری، فطرت کے مظاہر کی شعروں میں کشیدہ کاری، جذبات کی عمل داری، مافوق الفطرت عناصر، تلمیحات، تہذیب و ثقافت کی عکاسی ، مترنم بحر، الفاظ کے درو بست میں روانی، محاوروں اور تراکیب کا بر محل استعمال اور ایسے کئی دوسرے لوازمات کے مثنوی میں جمع ہونے کی صورت پیدا ہوا ہے۔مولانا محمد حسین آزاد(۱۸۳۰۔۱۹۱۰ء) رقمطراز ہیں:

" میر حسن مرحوم نے لکھا اور ایسی صاف زبان ، فصیح محاورے اور میٹھی گفتگو میں اور اس کیفیت کے ساتھ ادا کیا، جیسے آب رواں ، اصل واقعے کا نقشہ آنکھوں کے میں کھچ گیا اور ان ہی باتوں کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں جو اس وقت وہاں ہو رہی تھیں۔باوجود اس کے اصول فن سے بال بھر اِدھر اُدھر نہ گرے۔ قبول عام نےاُسے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں پر رکھا اور آنکھوں نے دل و زبان کے حوالے کیا ۔اُس نے خواص اہلِ سخن کی تعریف پر قناعت نہ کی بلکہ عوام جو حروف تہجی بھی نہ پہچانتے تھے وظیفوں کی طرح حفظ کرنے لگے۔ارباب نشاط نے محفلوں میں اس کی نغمہ سرائی کر کے لوگوں کو لٹایا اور رلایا۔"(۸)

درج بالا اقتباس میں "سحر البیان" کی زبان، محاورے کی شان ، روانی اور مرقع نگاری کے علاوہ عوام میں مقبولیت حیران کن ہے۔چند شعر دیکھیے :

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے، لالے کو داغ
زمرد کی مانند سبزے کا رنگ
روش کا، جواہر ہوا جس سے، سنگ
روش کی صفائی پہ بے اختیار
گل اشرفی نے کیا زر نثار
چمن سے بھرا باغ، گل سے چمن
کہیں نرگس و گل، کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہرجا نشان
مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں (۹)

درج شدہ اشعار میں فطرت کی راجدھانی، رنگوں اور خوشبوؤں کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ باغ ہو اور پھر بہار کا موسم ہو تو وہاں پھولوں کی بہتات تو ہو گی۔ یہاں پھولوں کا ایک ترتیب میں ہونا مزید حسن پیدا کرتا ہے۔ میر حسن نے پھولوں کو حسن ترتیب اور منظروں کے ساتھ بیان کیا ہے، یہاں پھولوں کی مختلف اقسام سے ان کی جانکاری بھی عیاں ہوتی ہے۔ اشعار میں جس فنکاری کے ساتھ میر حسن نے لفظوں کے درمیان پھولوں کے گملے سجا دیے ہیں قاری ایک روحانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے گویا اس کی آنکھیں دست بستہ ہو کر بہار کی پاکیزگی سے مسرور ہو رہی ہوں۔ فطرت کی اس مصوری میں مزید جادوگری دیکھیے۔

پڑی آبجو، ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر (۱۰)

میر حسن کی جمالیاتی حس "سحر البیان" میں بامِ عروج پر پہنچی ہوئی ہے۔ قاری شعر پڑھتے ہوئے مناظر کا اسیر ہونے لگتا ہے۔ ایک ہی شعر میں نہر، سَرو اور پھر سَرو پر چہچہاتی قمریاں رستہ روک لیتی ہیں اور نشہ طاری کر دیتی ہیں۔ مافوق الفطرت عناصر کے بغیر حقیقی منظروں کی جادوگری کے ثبوت کے لیے درج بالا تین اشعار کافی ہیں۔ دوسرے شعر میں گلوں کے جھومنے کا حرکی منظر آنکھوں میں دیر تک رقص کناں رہتا ہے اور گلستان پر جو نشے کا عالم ہے وہ پڑھنے والے پر طاری ہو جاتا ہے۔ میر حسن کی دیگر مثنویوں میں بھی ایک دو جگہ فطرت کا بیان ملتا ہے لیکن اس میں ایسی گھلاوٹ اور کشش نہیں کہ قاری انھیں دوبارہ پڑھنا چاہے۔ یہاں کی کیفیت یکسر مختلف ہے۔ "سحر البیان " کے قصے سے سوا بھی کئی مقامات ایسے ہیں جو قاری کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔

جہاں باغ میں پھولوں پہ بہارہے وہیں پرندوں کی مستیاں بھی دیکھیے :

کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے

صدا قرقروں کی، بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے، منڈیروں پہ مور

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کر لیں طوطیاں بوستاں کا سبق (۱۱)

لفظوں کی صورت بیان کی گئی باغ میں پرندوں کی آوازیں کانوں سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ بادشاہوں کی بے حساب دولت سے بنائے گئے باغوں سے میر حسن کے تخیل سے تراشا گیا باغ اور اس کا سب کچھ مسحور کن ہے۔پرندوں میں بری پرندے اور آبی پرندے دونوں پائے جاتے ہیں۔

فطرت کے حسن کے بیان میں مبالغہ آرائی بیان کی خوبی ہوتی ہے اور تخیل کی آزمائش بھی کہ شاعر کے تخیل کی پرواز کہاں تک جا سکتی ہے۔میر حسن کی مبالغہ آرائی میں تخیل کی پرواز قابل رشک ہے 'بدر منیر کے حسن' کے باب میں چند شعر دیکھیے :

وہ مکھڑا جسے دیکھ، مہ داغ کھائے
وہ نقشہ، کہ تصویر کو حیرت آئے

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال
اگر اس پہ بوسے کا گزرے خیال

وہ دستِ حنا بَستہ خوبی کے باب
شفق میں ہو جوں پنجہ آفتاب

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام (۱۲)

درج بالا پہلے دو شعروں میں حسن تعلیل سے مبالغہ آرائی اپنے عروج کو جا پہنچی۔ قدوقامت کے ساتھ قیامت کا لفظ تو شاعری میں آغاز سے اب تک برتا جا رہا ہے کہیں تشبیہ

اور کہیں استعارے کے زمرے میں آتا ہے، لیکن" قیامت کا قدو قامت کو جھک کر سلام" کہ صدیوں بعد بھی صرف میر حسن کی تخیل کا خاصا محسوس ہوتا ہے۔

میر حسن کے ہاں فطرت کے استعاروں کی کار فرمائی مختلف موقعوں پر مختلف لبا دے اوڑھ لیتی ہے۔ کہیں فطرت کے استعارے خوشی کے بیان میں ڈھل گئے تو کہیں غم کے بیان میں۔ کہیں فطرت حسن انسانی کی بیان کنندہ بن جاتی ہے تو کہیں بنا استعارے کی فطرت اپنے حقیقی حسن میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

عجب صاحبِ حسن پیدا ہوا
جسے مہرومہ دیکھ شیدا ہوا
نظر کو نہ ہو حسن پر اُس کے تاب
اُسے دیکھ بے تاب ہو آفتاب
سروں پر وَے سر پیچ معمول کے
خوشی سے، ہوئے گال گُل، پھول کے (۱۳)

درج شدہ شعروں میں خوشی کی کیفیات کو مظاہر فطرت کے استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں شہزادے (بے نظیر) کی پیدائش کی خوشی کا عکس دلفریب ہے۔ چند ایسے شعر دیکھیے جن میں غم کی کیفیات کا بیان فطرت کے مظاہر کے استعاراتی پہناووں میں کیا گیا ہے۔

اکڑنا گئے سَرو سب اپنا بھول
اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
ترانے سے بلبل کا جی ہٹ گیا
گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا
لبِ جو کے اڑنے لگی گِرد گرد
گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالہ کے دل کو تمام
دیا آگ میں پھینک عشرت کا جام (۱۴)

میر حسن کے ہاں غم کے بیان میں فطرت کی استعاراتی پیش کش میں حسن تعلیل بھی موجود ہے۔ سحر البیان میں تراکیب کا استعمال بلاوجہ اور بے دریغ نہیں ہے۔ میر حسن نے تراکیب کا

استعمال صرف شعر کی روانی اور حسن بڑھانے کے ساتھ ساتھ معانی میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کیا ہے۔ان کے اشعار میں تراکیب میں بناوٹ کہیں بھی محسوس نہیں ہوتی۔ترکیب سے شعر کی روانی متاثر نہیں ہوتی بلکہ شعریت میں اضافہ ہوتا ہے۔ان کے ہاں زیادہ تر دو لفظی تراکیب ملتی ہیں۔ لوح و قلم، رسول کریم، در یتیم، شرابِ سخن، بابِ سخن، آبِ لطافت، سیب وبہی، برگِ تر، اعجازِحسن، اندازِ حسن، تختِ رواں، آتشِ عشق، شبِ مہ،لبِ جو، گلِ اشرفی، دردِ نہاں، شرابِ شفق، رخِ زرد اور چشمِ نم وغیرہ جیسی مثالیں مثنوی کے شروع سے آخر تک ملتی ہیں۔

سحر البیان میں تلمیحات کا دفتر کھل جاتا ہے۔"نعت حضرت رسالت پناہ کی" میں شامل دو شعر دیکھیے:

مسیح اُس کی خرگاہ کا پارہ دوز
تجلی طور اُس کی مشعل فروز
خلیل اس کے گلزار کا باغباں
سلیماں سے کئی مہردار اس کے یاں(۱۵)

ان اشعار میں تلمیحات کے استعمال کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی استعارے بھی موجود ہیں۔ سحر البیان میں بدر منیر کالباس اور اسے زیب تن کرنے کا سلیقہ شاہی خاندان کی محلات میں رہنے والی شہزادیوں کے ثقافتی مگر شاہی پہناووں کی عکاسی کرتا ہے۔میر حسن نے پھولوں سے لے کر ثقافتی مظاہر اور ماحول میں ہند اسلامی اور ایرانی نقشے کھینچے ہیں جن میں تخیل کی آمیزش اور مبالغہ آرائی دلکشی بڑھا رہی ہے۔

اور اک اوڑھنی، جالی مقیش کی
پڑی چاندنی سی مہ عیش کی
جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگار
فرشتہ ملے ہاتھ بے اختیار (۱۶)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ(۱۹۳۱ء_۲۰۲۲ء) رقمطراز ہیں :

" ان کے لباس، پوشاک، نشست و برخاست اور آداب واوضاع مغلیہ محلات کی اس معاشرت کی یاد دلاتے ہیں۔جس میں ایرانی اور ہندی رنگ مل جل کر ایک ہو گئے تھے۔"(۱۷)

درج بالا اشعار میں پوشاک کی مثالیں آگئیں۔اب شاہی اور درباری ادب آداب دیکھیے:

خواصیں کھڑیں اُس کے سب گرد و پیش
جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش
کوئی مور چھل لے، کوئی پیک دان
کوئی لے چنگیر اور کوئی ہار، پان
رسیلی، چھبیلی بنی تنگ و چست
لباس اور زیور سے ہر اک درست
کھڑیں نیچے آنکھیں کیے با ادب
اُسی شرم سے، پر قیامت غضب (۱۸)

درج شدہ چند شعر"داستان بدر منیر کے غم واندوہ میں اور حسن بائی کے بلانے میں" سے لیے گئے۔ایسی مثالیں مثنوی میں جگہ جگہ موجود ہیں۔سحر البیان میں شادی بیاہ کی رسموں کی ہندوستانی ثقافت جھلکتی ہے۔شادی بیاہ میں موسیقی ، طوائفیں، عروسی لباس سب کا سب ثقافت کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔سحر البیان نے مثنوی کی صنف میں ایسا منفرد مقام پایا کہ آزاد جیسے نابغے نے شہادت دیتے ہوئے کہا:

"عالم سخن کے جگت گرو مرزا رفیع سودا اور شاعروں کے سرتاج میر تقی میر نے بھی کئی کئی مثنویاں لکھیں فصاحت کے کتب خانے میں اس کی الماری پر جگہ نہ پائی۔"(۱۹)

آزاد کے تحریر شدہ بیان سے کلی طور پر اتفاق ہے کہ مثنوی کے میدان میں میر حسن سب سے آگے نظر آتے ہیں۔انھوں قصے کے بیان میں لوح سے تمت تک روانی، فصاحت، نغمگی، شعریت، دلفریب تشبیہات واستعارات، تلمیحات،جزئیات نگاری، منظر کشی، مبالغہ آرائی اور ماحولیاتی فضا کے ساتھ ساتھ مافوق الفطرت عناصر کے استعمال سے اپنے ہنر کے جوہر دکھائے۔ماننا پڑتا ہے کہ سحر البیان جیسے شاہ پارے کی وجہ سے جہاں میں ان کا نام تابندہ رہے گا جس کا اظہار یا دعوی انھوں نے مثنوی کے آخر میں کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) میر حسن، مثنویات حسن (جلد اول) مرتب : ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، مئی ۲۰۱۸ء)، ۹۴۔

(۲) ایضاً، ۱۰۹۔

(۳) ایضاً، ۱۲۱۔

(۴) میر حسن، سحر البیان مدون : رشید حسن خان(لاہور: مجلس ترقی ادب ، مئی ۲۰۰۹ء)، ۲۶۸۔۲۶۹۔

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا
کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
زبس عمر کی اس کہانی میں صرف
تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب بن گیا ہوں میں پیر
تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی ،ہے یہ اک پھل جھڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان
نہیں مثنوی، ہے یہ سحر البیان

(۵) ایضاً، ۲۶۹۔

(۶) ایضاً، ۱۵۶۔

(۷) ایضاً، ۱۶۱۔

(۸) مولانا محمد حسین آزاد، آب حیات، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۰ء)، ۲۵۵۔

(۹) میر حسن، سحر البیان، ۱۷۲، ۱۷۱۔

(۱۰) ایضاً، ۱۷۲۔

(۱۱) ایضاً، ۱۷۳۔

(۱۲) ایضاً، ۱۹۷۔۱۹۸۔

(۱۳) ایضاً، ۱۶۷۔۱۶۸۔

(۱۴) ایضاً، ۱۸۵۔۱۸۶۔

(۱۵) ایضاً، ۱۵۳۔

(۱۶) ایضاً،۲۰۸۔

(۱۷) ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو مثنویاں،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳)،۳۱۶۔

(۱۸) میر حسن، سحر البیان، ۲۲۰۔

(۱۹) مولانا محمد حسین آزاد، آب حیات، ۲۵۵۔

References

1. Mir Hasan, *Masnaviyat-e Hasan* (Jild Awwal), murattib: Dr. Waheed Qureshi (Lahore: Majlis-e Taraqqi-e Adab, Tab'a Duvum, May 2018), 94.
2. ibid, p.109.
3. ibid, p.121.
4. Mir Hasan, *Sehar-ul-Bayan*, mudawwin: Rasheed Hasan Khan (Lahore: Majlis-e Taraqqi-e Adab, May 2009), p.268–269.

   "Zara Munsif-o-Daad ki hai yeh ja
   Ke darya-e-sukhan ka diya hai baha
   Ba-zis umr ki is kahani mein sirf
   Tab aise yeh nikle hain moti se harf
   Jawani mein jab ban gaya hoon main peer
   Tab aise hue hain sukhan be-nazeer
   Nahin masnavi, hai yeh ek phuljhari
   Musalsal hai moti ki goya lari
   Nayi tarz hai aur nayi hai zaban
   Nahin masnavi, hai yeh Sehar-ul-Bayan."
5. ibid, p269.
6. ibid, p.156.
7. ibid, p.161.
8. Maulana Muhammad Husain Azad, *Aab-e-Hayat* (Jhelum: Book Corner, 2020), p.255.
9. Mir Hasan, *Sehar-ul-Bayan*, p.171-173
10. ibid, p.172.
11. ibid, p.173.
12. ibid, p.197-198.
13. ibid, p.167-168.
14. ibid, p.185-186.
15. ibid, p.153.
16. ibid, p.208.
17. Dr. Gopi Chand Narang, *Urdu Masnaviyan* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2003), p.316.
18. Mir Hasan, *Sehar-ul-Bayan*, p. 220.
19. Maulana Muhammad Husain Azad, *Aab-e-Hayat*, p.255.

❖❖❖